عذاب قبر
قرآن کی نظر میں

از

السید انور مختار

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

مکان نمبر ۳؍۳ ، بلاک اے ، ناظم آباد ۱ ، کراچی ۷۴۶۰۰

فون - ٦٦١٣٣٩ ، ٦٢٧٨٣٠

قیمت ۶ روپے

Presented by ://https://jafrilibrary.com

عذاب قبر

[یہ مضمون رسالہ بلاغ القرآن لاہور کی اشاعت ماہ مارچ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ افادہ عامہ کے لئے اسے علیحدہ سے شائع کیا جارہا ہے۔]

****

میرے مخاطب علم و فہم سے یتیم اور عقل و خرد سے پیدل، تعصب پرست، فرقہ پرست وہ لوگ ہرگز نہیں ہیں جو غلو عقیدت اور اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر غور و فکر کے تمام معروف ضابطوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اتنا کہہ لینے کو ایمان و خوش عقیدگی کی معراج تصور کرتے ہوں کہ

وجدنا اباء نا کذالک یفعلون ۲۶/۷۴

"ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔"

اور وہ لوگ بغیر کسی دلیل یا سند کے خود کو سچائی کی معراج پر جانیں۔ یہ طریقہ بلاشبہ کفار و مشرکین سابقہ کی سنت ہے "اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہی ہدایت اور نہ ہی کوئی واضح کتاب جس سے دلیل دے سکیں" ۳۱/۲۰

میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو قرآن حکیم کی عطا کردہ ہدایات و بصیرت پر یقین رکھنے والے انصاف پسند، وسیع القلب، حق و باطل کے معیار کسوٹی "وحی قرآن" پر مکمل ایمان رکھنے والے فرقہ بندی، گروہ بندی کے مخالف ہیں۔

"اور جب ان کے رب کی آیات سے اِن کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے" ۲۵/۷۳

جب آیات قرآنی پر بغیر سوچے سمجھے گر پڑنے کو اللہ اچھا تصور نہیں کرتا تو کیا ایسی باتیں جو صدیوں سے ہمارے ہاں ایمان کا جز بن چکی ہیں۔ ان پر بغیر غور و فکر کے ایمان لانا اللہ پسند کر سکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں تحقیق کم اور تقلید زیادہ ہے لوگ محض سنی سنائی باتوں کے

پیچھے چل پڑتے ہیں اور اس کے خلاف ہر آواز پر کان کھڑے کر لیتے ہیں وہ تو نہ خود مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان باتوں کے حسن و قبیح پر کبھی غور و فکر کرتے ہیں ۔ کسی بات پر تنقید کو نہ برداشت کرنا ہی لاشعوری اور حماقت کی دلیل ہے ۔ آج کل کے ایسے جدید اور الیکٹرانی و ایٹمی دور میں ہر بات کیوں ؟ کیا ؟ کیسے ؟ کے جواب پر مبنی ہوتی ہے ورنہ لائق تسلیم نہیں سمجھی جاتی اور نہ ہی کسی بات کو آنکھیں بند کر کے مانا جاتا ہے ۔

کسی بات کے سچا ہونے کی یہ دلیل ہرگز قابل قبول نہیں ہوتی کہ یہ بات صدیوں سے ہمارے اسلاف کرتے یا مانتے چلے آرہے ہیں ۔ قرآن نے اسلاف پرستی کی انتہائی سختی سے تردید کی ہے اور اسلاف پرستوں کو ہی گمراہ ، کافر کے القابات سے نوازا ہے ۔

ہمارے ہاں بے شمار ایسی باتیں مشہور ہیں کہ ان کے بارے میں حقیقت کا جاننا تقریباً ناممکن ہے ان باتوں اور عقائد میں سے ایک عقیدہ جو اس قدر قوی ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کفر ہے !! اور وہ ہے " عذاب قبر " آج میں اسی کو قرآن کی روشنی میں بیان کرنے کی جسارت کر رہا ہوں ۔ ہمارے ہاں صدیوں سے ایک عقیدہ رائج ہے کہ جب ایک شخص اپنی طبعی موت مر جاتا ہے تو قیامت سے پہلے اور مرنے کے فوراً بعد اس کو عذاب یا ثواب دیا جاتا ہے اور مرنے اور قیامت کے درمیانی وقفے کو برزخ کہتے ہیں اسی کو عوام الناس " عذاب قبر " سمجھتی ہے ۔ اسی وجہ سے مردے کا قل ، چالیسواں ، برسی وغیرہ بھی کیا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال سے اس کو کوئی فائدہ پہنچ جاتا ہے ۔ لیکن قرآن حکیم سے اس عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ۔

قرآن انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کو اپنے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ " اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے والی جگہ میں پھر نطفہ کو ہم نے " علقہ " بنایا پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا اور پھر اس میں " ہڈیوں کا ڈھانچہ " پیدا کیا پھر ڈھانچے پر " گوشت کی تہہ " چڑھادی پھر دیکھو کس طرح ایک " مختلف مخلوق " بنا کر نمودار کر دیا ۔ تو کیا ہی برکتوں والی ذات ہے اللہ کی جو پیدا کرنے والوں میں سے سب سے بہترین ذات ہے پھر دیکھو اس پیدائش کے بعد تم سب کو مرنا ہے ۔

ثم انکم بعد ذالک لمیتون ۲۳/۱۲--۱۵

موت و حیات کا سلسلہ اللہ کے قانون کے تحت جاری ہے جو بھی انسان پیدا ہوتا ہے اس کو موت بھی آتی ہے ۔ " **کلّ نفس ذائقتہ الموت** " ہر ایک نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے "

قرآن نے متعدد مقامات پر موت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ **واللہ یحیی و یمیت** وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی مارتا ہے۔ سورۃ یونس میں کہا کہ " **ھو یحیی ویمیت والیہ ترجعون** O وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ ۱۰/۵۶

سورۃ روم میں فرمایا کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں سامان زیست عطا کرتا ہے۔ **ثم یمیتکم ثم یحییکم** پھر وہ تم کو موت دیتا ہے پھر زندہ کرے گا۔ ۳۰/۴۰

ایک جگہ یوں کہا کہ: " اللہ نے تمہیں طبعی زندگی سے نوازا پھر قانون طبیعی کے مطابق تم مرجاتے ہو۔ **ثم یحییکم ... الیٰ یوم القیمتہ لا ریب فیہ** پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ روز قیامت اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ۴۵/۲۶

اور یہ موت کسی خاص انسان کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے ہر نفس کے لئے ہے۔ اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا خواہ وہ کتنے ہی مضبوط قلعوں میں کیوں نہ محصور ہوجائے ۴/۷۸ اس موت سے نبی، رسول حتیٰ کہ نبی آخر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم بھی نہ بچ سکے۔ **انک میت وانھم میتون** " تجھے بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے "۔

جنگ احد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی شہادت کی غلط خبر سن کر مسلمانوں میں بد دلی پھیل گئی۔ اور وہ مایوس ہوگئے اس موقعہ پر اللہ نے فرمایا **وما محمد الا رسول** ج **قد خلت من قبلہ الرسل** ط **آفائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم** ط اور محمد تو ایک رسول ہیں جس طرح کہ اس سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا ہوا اگر یہ اپنی طبیعی موت مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو کیا تم لوگ اپنے پرانے عقائد اختیار کر لوگے ۳/۱۴۴۔ اسی طرح ایک جگہ یوں فرمایا کہ " اے رسول! ہم نے تم سے پہلے کسی کو ہمیشہ نہیں زندہ رکھا تو پھر کیا ہوا اگر تم مرجاؤ تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے ؟ ہر ایک نفس کو موت ضرور آنی ہے۔ ۳۴-۲۱/۳۵۔

وفات النبیؐ کے موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ " لوگو! سن لو جو محمد کو پوجتا تھا تو ان کو تو موت آگئی اور جو اللہ کا پجاری ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ زندہ جاوید ہے اسے موت نہیں آئے گی " ۔ بخاری

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ موت ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہ زمین ایک مستقر ہے یہ ہمیشہ کے لئے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ **ولکم فی**

الارض مستقر و متاع الی حین o ۔ "تمہارے لئے اس زمین میں جائے قرار ہے ایک مدت کے لئے ۲/۳۶ ۔ اسی کو دوسری جگہ مستقر و مستودع کہا یعنی زمین ہمارا عارضی مستقر ہے اور اس کے بعد یہ ہی مستقر تمہیں زندگی کے اگلے مرحلے کی سپردگی میں دے دیتا ہے ۔ جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ کسی انسان کی اصل موت اسوقت واقع ہوتی ہے جب اس کا دماغ (BRAIN) کام کرنا چھوڑ دے ۔ اس کے دماغ میں موجود سیل (CELL) مرجائیں اور ان کا کام ختم ہوجائے تو وہ آدمی مردہ تصور ہوگا ۔ اس لئے زندہ اور مردہ میں فرق آجاتا ہے اسی کو اللہ یوں فرماتا ہے کہ "اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہوتے اور نہ اندھیرا اور روشنی اور سایہ اور دھوپ اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہوسکتے ہیں" ۔ ۱۹۔۲۲/ ۳۵

اللہ نے ان مثالوں سے سمجھایا ہے کہ اندھیرا اور روشنی کبھی بھی برابر نہیں ہوسکتے جہاں روشنی ہوگی وہاں اندھیرا ممکن ہی نہیں ، جہاں دھوپ ہوگی وہاں سایہ ممکن ہی نہیں ہے اور ایک دیکھنے والا شخص کبھی بھی اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو نہیں دیکھ سکتا اور اس کے بعد کہا "اسی طرح زندہ اور مردہ کبھی برابر نہیں ہوسکتے" ۔ جو زندہ ہوگا وہ حواس خمسہ کا حامل ہوگا مگر جو مردہ ہوگا وہ ان حواس سے محروم ہوگا یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک مردہ شخص بھی زندوں کی طرح احساس رکھے ۔ چونکہ موت سے انسان کا زندوں سے تعلق ختم ہوجاتا ہے ۔ اس لیے اس سے کلام وغیرہ تو جہالت کی انتہا ہے اسی چیز کو اللہ نے بے شمار آیات سے واضح کیا ہے مثلاً

" اور اللہ کے سوا وہ تمام ہستیاں جن کو لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا دوبارہ " ۲۰۔۲۱/ ۱۶ یہاں الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ یہ آیات ان بناوٹی معبودوں کے لیے ہیں ۔ جن کو لوگ حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں ۔ یہ نہ بت ہیں نہ شیطان نہ فرشتے بلکہ واضح طور پر وہ انسان مراد ہیں جو مر چکے ہیں ۔ کیونکہ شیطان (لوگوں کے غلط عقائد کے مطابق) جنات اور فرشتے تو زندہ ہیں ۔ ان پر اموات غیر احیاء (مردے ہیں نہ کہ زندہ) کا اطلاق نہیں ہوسکتا ، رہے لکڑی یا پتھر کے بت ، تو ان کے لیے دوبارہ زندہ اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، لامحالہ وما یشعرون ایان یبعثون (ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا) سے مراد انبیاء ، صلحاء و شہداء و اولیاء اور دوسرے غیر معمولی

انسان ہی ہو سکتے ہیں جن کو ان کے معتقدین، دستگیر، داتا گنج بخش، غوث اعظم یا مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز اور نہ معلوم کیا کیا القابات سے نواز کر حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں

قرآن نے صریح الفاظ میں فرمایا کہ:

ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم .

ترجمہ: "اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعا نہیں سن سکتے" ۔ ۱۴/ ۳۵

خود رسول اللہ کے لیے فرمادیا کہ "**فانک لا تسمع الموتیٰ** ۔" ترجمہ: اور تو مردوں کو نہیں سن سکتا ۵۲/ ۳۰

دوسری جگہ اور تصریح کر دی کہ "**وما انت بمسمع من فی القبور**" تو انہیں نہیں سنا سکتا جو قبروں میں دفن ہیں ۲۲/ ۳۵ ۔ یہاں صاف الفاظ میں قبر میں دفن شدہ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ کیونکہ قرآن کی اولین مخاطب قوم اپنے مردوں کو زمین میں گاڑتی تھی اس لیے قرآن نے وہی لفظ استعمال کیا ہے

قبر کا مفہوم! قبر کی جمع قبور ہے ۔ لغت میں اس کا مطلب " وہ گڑھا ہے جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے ۔ "(علمی لغت اردو) " دفن کرنے کی جگہ " کو قبر کہا جاتا ہے (فیروز اللغات اردو عربی) " جس جگہ مردے کو گاڑا جاتا ہے ۔ اسے قبر کہتے ہیں ۔ " (تاج ۔ محیط ۔ راغب) لغات سے ظاہر ہوا کہ قبر وہ مقام یا جگہ ہے جس جگہ کسی مردہ انسان کو دفنایا جاتا ہے ۔ عربوں کے ہاں مردہ کے (DISPOSAL) کرنے کا طریقہ یہی قبر تھا ۔ اسی لیے اللہ نے قرآن میں جہاں بھی قبر کے الفاظ استعمال کیے ہیں اس سے صرف یہ مفہوم ہے کہ جس جگہ تم مردہ کو گاڑ دیتے ہو ۔ قرآن نے یہ لفظ کئی مرتبہ استعمال کیا ہے ۔ اور اس سے مراد وہ گڑھا ہے جس میں عرب یا موجودہ لوگ اپنے اپنے مردوں کو گاڑتے ہیں ۔

(۱) **ولا تقم علی قبرہ ۹/ ۸۴** "اور ان میں سے کسی کی قبر پر مت کھڑا ہو"

(۲) **واذا القبور بعثرت ۸۲/ ۴** "اور جب قبریں اکھاڑی جائیں گی"

(۳) **وان اللہ یبعث من فی** "اور اللہ قیامت کے روز قبر والوں کو اٹھائے گا"

القبور ۲۲/ ۷

(۴) **حتیٰ زرتم المقابر:** یہاں تک کہ (دنیاوی حرص ولالچ میں تم اس قدر **۱۰۲/ ۲** مشغول ہوئے کہ) تم نے قبریں جا دیکھیں (تم مر گئے)

حیات بعد الممات تو قرآن کا خاص نظریہ ہے اور اس سے مراد یہ نہیں کہ جن لوگوں کی قبر نہیں بنتی وہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ دوبارہ زندگی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی قبر ضرور بنے نہ کسی خاص مقام یا اس جسم کی ضرورت ہے جو مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے یا جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ قبر تو صرف ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مردوں کو ضائع کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کو جانوروں کے چیر پھاڑ سے محفوظ رکھ سکیں۔ مردہ جسم زندوں کے لیے کئی صورتوں میں نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے اس سے مہلک بیماریاں بھی پھیل سکتی ہیں اس لیے اسے مٹی میں دبا کر ہم انسانیت کی بھلائی کرتے ہیں۔ کئی قومیں مردہ جلا دیتی ہیں جو ہمارے نظریے کے خلاف ہے اور انسانیت کی تذلیل ہے۔

سورہ عبس میں اللہ فرماتا ہے "ثم اماتہ فاقبرہ" پھر اللہ اسے مارتا ہے (موت دیتا ہے) اور اسے قبر میں رکھواتا ہے یا اس کے لیے قبر مہیا کرتا ہے یا اسے قبر میں دفن کرنے کو کہتا ہے۔

یہاں "قبرہ" نہیں کہا بلکہ "اقبرہ" کہا ہے کیونکہ "قبرہ" اس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی کو اپنے ہاتھ سے دفن کرے۔ اس لیے اس آیت میں سب سے بہتر مفہوم جو باقی تمام آیات کی تائید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ مردے کو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ایک جگہ یوں کہا کہ "یہ کافر آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے جس طرح یہ مردوں (اصحاب القبور) کی حیات سے ناامید ہیں۔" ۶۰/۱۳

اسی کو دوسری جگہ اس طرح کہا کہ "(کافر کہتے ہیں کہ) کیا جب ہم مر کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہمیں ایک نئی زندگی ملے گی؟" ۱۳/۵

اسی طرح سورۃ بنی اسرائیل میں یہ کفار یوں کہتے ہے کہ "جب ہمارا صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا اور سارا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو کیا پھر اس میں ایک نئی زندگی ملے گی؟ ۱۷/۴۹

یہ کفار کبھی یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ

"زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے۔ ہمارے سامنے بچے پیدا ہوتے ہیں (بڑھتے، پھولتے، پھلتے اور جوان ہوتے ہیں پھر بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے بالآخر مر جاتے ہیں) یہ سب زمانے کی گردش سے ہوتا ہے۔" ۴۵/۲۴

کہیں یہ کفار کہتے ہے کہ "جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ہمیں کون زندہ

کرے گا: ۳۶/۷۸

کفار کے ان عقائد اور اعتراضات کا جہاں بھی جواب دیا گیا ہے وہاں ان سے یہی کہا گیا کہ بلا شبہ تم لوگ مر کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہو مگر تمہیں دوبارہ ضرور زندہ کیا جائے گا اور یہ صرف قیامت کے روز ہو گا۔ جہاں تم اپنے حواس سے یہ جان لو گے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا اور اس کے رسولوں نے تم سے صحیح کہا تھا۔

سورہ المومنون میں انسانی تخلیق کے ارتقائی منازل بیان کرنے کے بعد جب موت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ساتھ ہی بالکل واضح الفاظ میں فرما دیا کہ **ثم انکم یوم القیمه تبعثون** ۲۳/۱۶

"(مرنے کے بعد) پھر قیامت کے روز ہی تمہیں اٹھایا جائے گا"

قرآن کی رو سے دو ہی موتیں ہیں اور دو ہی زندگیاں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیه ترجعون** ۔۲/۲۸

"تم اللہ کا کس طرح انکار کر سکتے ہو کہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندگی عطا کی ہے وہ تمہیں پھر مارے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔"

اور انسان خود یہ اقرار کرے گا کہ

ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین۔

"اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی۔"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک موت وہ تھی جب انسان ہنوز پیدا ہی نہیں ہوا تھا اس کو قرآن نے موت سے تعبیر دی ہے۔ اس کے بعد پیدائش کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ پہلی زندگی ہے اور زندگی کے ایام جب ختم ہو جاتے ہیں تو یہ انسان مر جاتا ہے اس کو قرآن دوسری موت سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر زندگی ملے گی اور یہ روز قیامت ہی ہو گا۔ اس کو قرآن نے دوسری زندگی سے تعبیر کیا ہے اس کے بعد کوئی موت نہیں ہو گی کیونکہ قرآن میں آخرت کی زندگی خواہ وہ جنت کی ہو یا دوزخ کی دونوں صورتوں میں خالدین۔ خالدون جیسے الفاظ میں کہی ہے جس کا مطلب ہے لا محدود اور ہمیشہ ہمیشہ لا متناہی زندگی۔ اس لیے طبعی موت اور دوسری زندگی کے درمیان کوئی زندگی نہیں ہے۔ مرنے سے لے کر قیامت تک کے درمیانی وقفے کو قرآن نے "برزخ" سے تعبیر کیا ہے۔

برزخ: قرآن میں آتا ہے۔ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے، تو وہ کہے گا۔ اے میرے رب! مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے تاکہ میں جو اعمال صالح چھوڑ آیا ہوں اب کر لوں۔ ہرگز وہ ایک ایسی بات ہے جو صرف وہ کہے گا (اور اس پر عمل نہیں ہوگا) اور **ومن وراٰء هم برزخ الی یوم یبعثون** ۱۰۰/۲۳ "ان کے آگے یا پیچھے برزخ ہے یہاں تک کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔

برزخ کے معنی حد، آڑ، روک یا حاجز ہیں۔ یعنی وہ درمیانی شے جو دو چیزوں کے مابین اس طرح حائل ہو کہ باوجود ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کے ان چیزوں کی انفرادیت اور تشخص قائم رہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ **مرج البحرین یلتقین بینهما برزخ لا یبغین** ا۔۱۹۔۲۰/ ۵۵ "اسی نے دو دریا رواں کیے جو باہم ملتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے۔ کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔"

اسی کو دوسری جگہ مزید وضاحت سے یوں سمجھایا ہے کہ، **وهوالذی مرج البحرین هذا فرات وهذا ملح اجاج وجعل بینهما برزخا وحجر محجورا** ۵۳/ ۲۵ "اور وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا اور دوسرا کھاری چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنادی۔"

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ **ومن وراهم برزخ الیٰ یوم یبعثون** کا مطلب یہ ہوگا کہ ان مردہ لوگوں اور زندہ لوگوں کے درمیان ایک اوٹ، آڑ، پردہ ہے جہاں وہ گزری ہوئی زندگی سے غافل اور آئندہ آنے والی زندگی کے متعلق ان کا شعور بیدار نہیں ہوا ہوگا گویا وہ نیند کی حالت میں ہوں گے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو وہ کہیں گے۔ **قالو یویلنا من بعثنا من مرقدنا** ۵۲/ ۳۶ "ہم پر افسوس ہمیں، ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھایا۔" حشر کے وقت وہ خود کو مرض الموت کے مقام میں تصور کریں گے، انہیں اپنے دفنانے یا جلانے کی قطعاً خبر نہ ہوگی۔ اس لیے انہیں جواب میں کہا جائے گا کہ

هذا ما وعدالرحمن وصدق المرسلون ۳۶/۵۳

"یہ تو وہی ہوا جس کا وعدہ رحمان نے کیا تھا اور اس کے رسولوں نے بالکل سچ کہا تھا۔"

اسی چیز کو دوسری جگہ یوں کہا گیا کہ تو اس (زندگی) سے متعلق غفلت میں پڑا رہا (یعنی اس وقت تیری آنکھوں پر پردے پڑے رہتے تھے جس کی وجہ سے تو حقیقت کو دیکھ

نہیں سکتا تھا (آج وہ پردے اٹھ چکے ہیں اور تیری نگاہ اس قدر تیز ہے کہ تو سب کچھ دیکھ سکتا ہے اب کوئی بات تجھ سے چھپی نہیں رہے گی)۔ " ۲۲/ ۵۰

یوم تبلی السرآئر "اس روز ہر راز افشا ہو جائے گا۔ ۹/ ۸۶ ان لوگوں (مرے ہوئے) کو اپنے مرنے کے بعد سے قیامت تک کا کچھ بھی نہیں معلوم ہو گا اس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ

" اور تم لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اگر تم انہیں بلاؤ تو وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے اگر بفرض محال وہ سن بھی لیں تو تمہیں اس کا جواب نہیں دے سکتے **ویوم القیمه یکفرون بشرککم** "اور روز قیامت وہ تمہارے اس شرک سے انکار کر دیں گے: ۱۴/ ۳۵

دوسری جگہ ان لوگوں کے بارے میں اس طرح فرمایا کہ

" اور اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو گا جو اللہ کے سوا ان لوگوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ وہ ان کی پکار سے غافل ہیں اور روز حشر جب یہ لوگ اٹھائے جائیں گے، تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش کا انکار کریں گے "۔

واذا حشر الناس کانوالهم اعدآء وکانو العباد تهم کفرین ۴۶/۶

ایک اور جگہ پھر ان لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔ **یوم القیمته یکفرون بشرککم**

" اور قیامت کے دن یہ تمہارے شرک سے انکار کریں گے۔ "

قیامت کے دن کا ایک اور نقشہ قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ

" اور جب مشرکین قیامت میں اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ ہی وہ شریک ہیں جن کو ہم تیرے علاوہ پکارتے تھے۔ وہ شریک ان کو جواب دیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو " **(انکم لکاذبون)**۔ " ۸۶/۱۶

اس بات کو ایک اور مقام پر مزید صراحت سے یوں بیان کیا گیا ہے کہ " اور جس دن سب کو ہم جمع کریں گے تو مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو جاؤ پھر ان کے آپس میں تعلقات کو ہم منقطع کر دیں گے۔ ان کے شرکاء اپنے پکارنے والوں

سے کہیں گے کہ ۔ " تم ہمیں نہیں پوجتے تھے ہمارے اور تمہارے درمیان میں بس اللہ ہی شہادت کو کافی ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے ۔ " ۲۸-۲۹/۱۰

ان تمام آیات سے یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ مردوں کو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کون ان کی قبر پر آیا کس نے کیا کیا، کس نے کیا مانگا ۔ یہ لوگ اس دنیا سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں تمام مردے نہ علم رکھتے ہیں نہ احساس، نہ سماعت، نہ شعور وہ بالکل غافل اور بے خبر ہوتے ہیں ۔

عام مردے تو رہے ایک طرف تمام انبیاء بھی (جو عظیم ہستیاں تھیں) وہ بھی روز قیامت اپنی بے خبری کا اقرار کریں گے ۔

" قیامت کے دن اللہ تمام رسولوں کو اکٹھا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کو کس طرح قبول کیا گیا ۔ سارے نبی عرض کریں گے کہ **لا علم لنا** ہمیں تو کچھ بھی علم نہیں، تو ہی غیب کی خبر رکھنے والا ہے ۔ ۵/۱۰۹ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں قرآن تفصیل سے بات کرتا ہے " اور جب اللہ حضرت عیسیٰؑ سے فرمائے گا کہ کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے بجائے معبود بنا لو ؟ وہ فرمائیں گے اے اللہ تو اس شرک سے پاک ہے مجھے کب یہ شایان تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں اور اگر میں نے کہا بھی ہو تو تو جاننے والا ہے تجھے تو معلوم ہی ہوگا کیونکہ جو بات میرے دل میں بھی ہے تو اسے جانتا ہے جب کہ میں نہیں جانتا کہ تیرے ضمیر میں کیا ہے ؟ بلاشبہ تو علام الغیوب ہے ۔ میں نے کچھ نہیں کہا بجز اس کے کہ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے ۔ اور جب تک میں ان میں رہا یعنی زندہ تھا حالات سے باخبر رہا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا مجھے اس کے بعد کی خبر نہیں اور تو ہر چیز سے باخبر ہے ۔ " ۵:۱۱۶

ان بے شمار قرآنی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت کے دن تک کا عرصہ مردوں کے لیے مکمل لاعلمی و بے خبری کا زمانہ ہے ۔

موت کیا ہے ؟ موت نام ہے انسانی شعور کا جسم طبیعی سے جدا ہو جانے کا ۔ اور جب ایک بار انسانی شعور باقی نہ رہا ۔ تو اس کی واپسی قیامت سے قبل ناممکن ہے ۔ اس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ " اللہ نفس (شعور) کو لوگوں کے مرنے کے وقت نکال لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کے شعور کو سوتے ہوئے قبض کر لیتا ہے پھر جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا

ہوتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور دوسرے جو ابھی مرے نہیں ان کے شعور کو واپس کر دیتا ہے ایک مقررہ مدت تک کے لیئے جو لوگ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہوتی ہیں۔ ۴۲/ ۳۹

اس سے ظاہر ہوا کہ جب کوئی انسان سوتا ہے تو اس کا شعور ختم ہو جاتا ہے لیکن جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو دوبارہ وہ شعور محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا لاشعور اتنے عرصہ میں اس کی نگرانی کرتا ہے مگر جب انسان کا لاشعور مر جاتا ہے۔ یعنی دماغ کے خلیات مردہ ہو جاتے ہیں تو اس کا لاشعور اور شعور دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی کو اللہ موت قرار دیتا ہے۔ وہ اس کے شعور اور لاشعور کو محفوظ کر دیتا ہے خواہ اس کے بعد اس مردے کو دفنا دیا جائے یا دریا میں بہا دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ اسی کی تائید کرتی ہوئی اور مزید وضاحت کرتی ہوئی ایک آیت یوں ہے۔

"اور وہی تو ہے جو رات کو تمھیں سلا دیتا ہے۔ اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو۔ پھر وہ اس کو ظاہر کرتا ہے۔ تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) مدت معین پوری کر دی جائے پھر تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیۓ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے قانون کے مطابق اس کی دنیاوی زندگی کی مدت پوری کر دی جاتی ہے۔ اس میں کسی طرح کوتاہی نہیں ہوتی" پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے مالک بر حق کے پاس بلائے جائیں گے سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ ۶۰ تا ۶۲/ ۶

ان آیات میں اللہ نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ نیند کی حالت میں وہ تمہارا شعور ختم کر دیتا ہے اور نیند کے بعد شعور لوٹ آتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا ہے۔ جب کسی انسان کی موت سے اس کا شعور ضائع ہو جاتا ہے تو وہ مردہ کہلاتا ہے۔ یہ شعور اللہ محفوظ کر دیتا ہے اور پھر قیامت کے دن اسی کو زندہ کر دیا جائے گا۔ جس سے یہ انسان اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ کو وی سی آر کی فلم کی طرح دیکھے گا اور ذرا سی بات بھی اسے بھولی نہیں ہوگی۔ اس لیئے انسان کا جسم خواہ گل سڑ کیوں نہ جائے اس سے اس کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اللہ نے اس کی ذات یا شعور کو ایک محفوظ جگہ رکھ دیا ہے۔ اس کو قرآن اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ

"پہلے سے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے ؟" تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ

علمها عند ربی فی کتاب ج لا یضل ربی ولا ینسی ۲۰/۵۲ "ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے ۔"

اس کتاب کے بارے میں سورہ المطففین میں مزید تصریح کر دی کہ "گنہگاروں کا اندراج سجین میں ہے اور تجھے کیا معلوم یہ سجین کیا ہے ۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ۔" ۸۳/۹-۷ جب کہ نیک لوگوں کے بارے میں کہا کہ "نیکوں کا اندراج علیین میں ہے اور تجھے کیا معلوم کہ علیین کیا ہے وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے ۔" ۸۳/۲۰-۱۸ زندگی ایک مسلسل جاری رہنے والی شے ہے یا یوں سمجھ لیں کہ ایک دریا ہے جو اس دنیا سے دوسری دنیا میں بہتا ہے اور موت اس کی حد بندی کرتی ہے ۔ ہم اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے جب موت کی سرحد عبور کرتے ہیں تو ہمارا شعور معطل ہو جاتا ہے اور ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے سرحد کے اس پار نہیں دیکھ سکتے ۔ قرآنی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی دی جائے گی اور وہ کس طرح ہو گی اس کی تفصیلات ہم اپنی ذہنی سطح کے مطابق ابھی نہیں سمجھ سکتے ۔

فلسفیانہ انداز فکر کا ایک بڑا ہی اہم مسئلہ ہے ، زمان و مکان (TIME & SPACE) ہمیں وقت کا احساس کب ہوتا ہے ۔ جب ہمارا شعور بیدار ہو ۔ سونے کی حالت میں یا بیہوشی کی حالت میں ہمیں وقت کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ ہمارا شعور معطل ہوتا ہے ۔ برزخ سے مراد وہ وقفہ ہے جو موت اور زندگی کے درمیان میں ہے ۔ اس میں ہمارا شعور نہیں ہوتا اس لئے ہم اس کی مدت کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے جب روز قیامت مجرمین حاضر کیے جائیں گے وہ کہیں گے ۔ کہ

مالبثو غیر ساعة : "وہ تو بس ایک گھڑی ٹھہرے رہے" ۔ ۳۰/۵۵

ان کے جواب میں کہا جائے گا ۔ کہ

لقد لبثتم فی کتاب الله : "تم اللہ کی کتاب کے مطابق رہے ۔" ۳۰/۵۶

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں عذاب یا ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں جہاں کہیں بھی عذاب و ثواب کا ذکر ہے وہ صرف روز آخرت یا اس دنیاوی زندگی کے لئے ہے ۔ سینکڑوں آیات مجرمین کے عذاب کے بارے میں ہیں ۔ ان سب میں صرف روز قیامت کا ذکر ہے ۔

ارشاد باری ہے کہ۔

"اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے لگے تو زمین میں کوئی جاندار نہیں چھوڑتا لیکن اس نے لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے۔" ۱۶/۶۱۔ یہ **الی اجل مسمی** کیا ہے! اس کی وضاحت دوسری جگہ یوں ہے کہ **لای یوم اجلت لیوم الفصل** ۱۳۔۱۲/۷۷ "کس دن کے لئے مہلت ہے؟ فیصلے کے دن کے لئے۔"

اور یہ فیصلے کا دن کون سا ہو گا؟ اس کے بارے میں بتایا ہے کہ

"اور کافر کہیں گے کہ ہائے! ہماری شامت یہ انصاف کا دن ہے۔ یہ ہی تو وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔" ۲۰۔۲۱/۳۷

دنیا کے بعد برزخ میں نہ کوئی حساب ہو گا اور نہ ہی سزا و جزا کا تصور قرآن دیتا ہے۔ آخر جب قرآن نے اس قدر واضح آیات میں برزخ میں بے خبری اور لاعلمی کا ذکر کیا ہے! تو لوگوں کی اکثریت کیوں اس عقیدے کی حامل ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ

واذا قیل لهم اتبعو ما انزل الله قالو بل نتبع ما وجدنا علیه اباءنا ۳۱/۲۱

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بس اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا۔"

اسلاف پرستی کے بارے میں قرآن نے بار بار منع کیا ہے مگر لوگ اپنے بزرگوں کے ملفوظات کو نہیں چھوڑتے۔ عذاب القبر کی بنیاد بھی روایات پر ہے۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودی عورت آئی اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور پھر کہا کہ اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ عذاب قبر کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ عذاب القبر حق (قبر کا عذاب حق ہے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔" (بخاری۔ مسلم)

ذرا سوچئے کہ حضور کو پہلے نہیں معلوم تھا کہ عذاب قبر بھی ہوتا ہے۔ یہودی عورت نے آکر بتایا تو حضورؐ کو یاد آیا کہ عذاب قبر بھی حق ہے اور اس کے بعد اس سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ اور اس قسم کی موضوع احادیث پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ان کی نسبت رسول اللہؐ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ برزخ میں زندگی کے ثبوت میں لوگ سب سے زیادہ شہدا کی زندگی کے

بارے میں ثبوت دیتے ہیں۔ آیئے شہداء کی زندگی قرآن کی رو سے دیکھتے ہیں۔

شہداء کی زندگی

ولاتقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون۔ ۲/۱۵۴

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے"

اس آیت کے شان نزول میں تمام مفسرین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ غزوہ بدر میں جب کچھ اصحاب قتل ہو گئے تو منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی اور زندگی جیسی نعمت سے محروم ہو گئے۔ ان کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

دوسری جگہ کہا گیا کہ

قتلو فی سبیل اللہ امواتاً ؕ بل احیاء عندربھم یرزقون ۳/۱۶۹

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے۔ انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے حضور روزی پاتے ہیں۔"

دراصل یہ آیات منافقین کے اس پروپیگنڈے کا جواب ہے کہ قتل ہونے والے مفت میں زندگی سے محروم ہو گئے۔ اسی طرح قرآن نے ایک دوسری جگہ بتایا ہے کہ ان ہی لوگوں نے کہا کہ اگر تم اپنے گھر سے نہ نکلتے تو کبھی موت کو گلے نہ لگاتے اس کے جواب میں بھی کہا گیا کہ موت تو برحق ہے وہ آکر رہے گی اگر تم میں ہمت ہے تو اس سے بچ کر دکھا دینا۔

یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ تمہارے عقیدے کے مطابق مر نہیں گئے ان کا فیصلہ ہو گیا بلکہ یہ تو زندہ کئے جائیں گے اور اللہ ان کو اپنی طرف سے رزق عطا کرے گا۔ وہ ہمیشہ کے لئے مٹی میں نہیں مل گئے۔ احیاء کے معنی زندہ ہونے کے ہیں۔ یہ اسم فاعل "حی" کی جمع ہے اور اس کے معنی حال اور مستقبل دونوں کے ہو سکتے ہیں جیسے "میت" کا لفظ مردہ پر بولا جاتا ہے اور آئندہ مرنے والے پر بھی کتاب اللہ میں ہے کہ **انک میت وانھم میتون**

"اے نبیؐ آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ بھی مریں گے۔" اسی طرح "احیاء" کے معنی زندہ

بھی ہوسکتے ہیں اور زندہ ہونے والے بھی ہوسکتے ہیں ۔ (قول امام مسلم اصفہانی ، تفسیر رازی)

اس ایک آیت کے علاوہ بھی قرآن میں بکثرت آیات ہیں جنمیں الفاظ کے معنی مستقبل میں کئے گئے ہیں مثلاً

ان الابرار لفی نعیم ج وان الفجار لفی جحیم ٥ ۔ ۱۳-۸۲/۱۴

" بلاشبہ نیک جنت میں اور برے دوزخ میں ہیں ۔ " ظاہری بات ہے ابرار اور فجار کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہی ہوگا اور انہیں جنت اور دوزخ میں ڈالا جائے گا ۔

دوسری جگہ ہے کہ

ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار ج بے شک منافق دوزخ (آگ کے عمیق) حصے میں ہیں ۔ " ۴:۱۴۵

ان آیات سے جب مستقبل کا مفہوم لیا جاتا ہے تو شہداء کے بارے میں کیوں یہ قیاس کیا جائے کہ وہ زندہ ہیں ۔

اب رہا یہ سوال کہ قیامت کے دن تو سب مردے زندہ کئے جائیں گے تو شہداء کے بارے میں خصوصیت کیوں ہے ؟ تو اس کا سیدھا سادا جواب ہے کہ کفار اور منافقین نے جو لڑائی میں قتل شدہ لوگوں کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا اس کا اثر زائل کیا جائے اور بس ۔

اگر ان آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا اللہ فرما رہا ہے کہ " **یقتتل** " قتل شدہ اور جو قتل ہو جاتا ہے اس کی جان نکل جاتی ہے اور آیت سابقہ کے مطابق واپس نہیں آتی تو پھر شہید کس طرح زندہ ہوگیا کیونکہ زندگی تو نام ہے جان اور جسم کے باہمی ملاپ کا ۔ خود اللہ نے یہاں لفظ " شہید " نہیں بولا شہید کا مطلب تو شہادت یعنی گواہی دینے والا ہوتا ہے ۔ یعنی اس قتل ہونے والے آدمی نے اپنے خون اور جان کو اللہ کی راہ میں لٹا کر گواہی دی کہ وہ احکام اللہ کے لئے اپنی جان بھی لٹا دے گا ۔ بس اتنی سی بات ہے ۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض بھی کر لیں کہ شہید زندہ ہے تو اس پر تمام مردہ والے احکام کیوں نافذ ہوتے ہیں ۔ مثلاً شہید کی بیوہ نکاح ثانی کر سکتی ہے جب کہ عورت صرف اسی صورت میں نکاح ثانی کر سکتی ہے جب اس کا شوہر اس کو طلاق دے دے یا وہ مرجائے اور اگر شہید زندہ ہے تو پھر بیوہ کا نکاح کیا معنیٰ ؟ قبر تو مردوں کی بنائی جاتی ہے پھر زندہ کو کیوں گاڑا جاتا ہے ؟ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی اس موجودہ ذہنی صلاحیت سے ان کے بارے میں نہیں سمجھ سکتے جو قتل ہو جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں اسی کو قرآن ولکن لا تشعرون کہتا ہے ۔ باقی رہی وہ آیات جن سے برزخ کے عذاب و راحت کا ثبوت دیا جاتا

ہے تو چند ایک کی تشریح کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے قائلین حیات برزخ کی طرف سے آیات ۴۶ ۴۰/۴۵ پیش کی جاتی ہیں۔

"آخر کار ان لوگوں نے جو بڑی چالیں اس مومن کے خلاف چلیں اللہ نے ان سب کو بچا لیا اور آل فرعون کو بڑے عذاب نے آگھیرا جس میں وہ صبح و شام پیش کئے جائیں گے اور قیامت کے دن کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کردو۔" ۴۰/۴۵،۴۶

ان آیات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ دیکھو نا، فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کرنے کے بعد صبح و شام آگ کا عذاب دیا جاتا ہے یہ عذاب قبر یا عذاب برزخ ہے اور قیامت کے دن فرشتوں سے کہا جائے گا۔ اب انہیں دوزخ کے سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دو۔ اگر دیکھا جائے تو اس آیت سے یہ مفہوم لینا قرآن کی سینکڑوں آیات کا صریحاً انکار ہے۔ کیونکہ اگر آل فرعون کو ہر روز صبح و شام عذاب دیا جاتا ہے تو یقیناً انہیں اس کا احساس اور شعور بھی ہونا چاہئے جب کہ اس چیز سے قران صریحاً انکاری ہے۔ اصل میں ساری خرابی یعرضون کے غلط ترجے کی وجہ سے ہوئی ہے جس کے معنی مستقبل کے بجائے حال میں کر دئے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن خود کہہ رہا ہے کہ

ویوم یعرض الذین کفروا علی النار ؕ اذہبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا ؕ فالیوم تجزون عذاب الھون بماکنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون ۴۶/۲۰

اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور اس سے فائدہ اٹھا چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے یہ سزا ہے کہ زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس میں اللہ کے احکامات کی نافرمانی (فسق) کرتے تھے۔"

ان کفار میں یقیناً آل فرعون بھی شامل ہوں گے کیونکہ یہاں دنیا کے کفار کا ذکر ہے۔ لہذا ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پیشی قیامت کے دن ہی ہوگی۔ برزخ میں نہیں۔ اس کی مزید تصریح یوں ہے کہ:

یقدم قومہ یوم القیمۃ فاوردہم النار وبئس الورد المورود ۱۱/۹۸

"(فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام میں وہ اتریں گے وہ برا ہے ۔" ۹۸/ ۱۱

یہ سب کچھ قیامت کے دن ہی ہو گا ۔ ویسے بھی انصاف نہیں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنیوالا ہزارہا سالوں سے برزخ کا عذاب سہہ رہا ہے اور محمد کا کافر تھوڑی مدت ، عذاب برزخ کا مزا چکھے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قیامت کے قریب کا زمانہ ہے ۔

اس کے علاوہ (آیت ۴۶ / ۴۰) میں **غدوا و عشیا** کا لفظ آیا ہے اور برزخ میں TIME کا کوئی تصور نہیں ہوتا کیونکہ وقت کا تعلق شعور و احساس سے ہوتا ہے ۔

جب کہ برزخ میں جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ احساس و شعور نہیں ہوتا ۔ اس لیے یہ لامحالہ قیامت کے دن کے عذاب کا ذکر ہے ۔ قرآن میں جنت کے بارے میں آتا ہے کہ

ولھم رزقھم فیھا بکرۃ و عشیاً ۹/٦٢

اور جنتیوں کو ان کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا ۔"

جو صبح و شام جنت میں ہوگی وہی دوزخ میں ہوگی ۔ ظاہر ہے صبح و شام سے مراد "دوام" ہے یعنی ان کا رزق مسلسل و متواتر ملتا رہے گا ۔

دنیا میں فرعون پر لعنت اور قیامت کے دن برے حال کا ذکر قرآن میں ایک جگہ یوں کیا ہے کہ

واتبعنھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیمۃ ھم من المقبوحین ۲۸/۴۲

" اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حالوں میں ہوں گے ۔"

یہاں برزخ کے عذاب کا ذکر نہیں کیا گیا ۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں بھی لوگوں کو یہی غلط فہمی ہوئی کہ انہیں بھی برزخ کا عذاب دیا جا رہا ہے ۔ آیت سے پہلے ایک نقطہ کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن نے جنت ، دوزخ ، عذاب ، راحت کے متعلق کئی جگہ ماضی کے صیغے استعمال کیے ہیں کیونکہ اللہ کے نزدیک زمانہ TIME کچھ حیثیت نہیں رکھتا وہ زمان و مکان سے ماورا ہے ۔ ساری دنیا ازل سے ابد تک اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے اور تمام واقعات اس کے سامنے ہیں ۔ مثلاً

وبرزوا للہ جمیعا فقال الضعفوا للذین استکبروا (۱۴/۲۱)

"اور وہ سب اللہ کے سامنے حاضر ہوتے اور کمزوروں نے ان لوگوں سے کہا جو دنیا میں بڑے سردار بنتے تھے۔

اسی طرح ایک اور جگہ جن کے بارے میں ہے کہ

فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار ط

"جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے ترشوائے گئے۔" ۲۲/۱۹

اسی طرح قوم نوح کے بارے میں جو ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے مراد عذاب برزخ نہیں بلکہ قیامت کے دن کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے کیونکہ اللہ TIME سے بری ہے۔ وہ رب العالمین ہے وقت کا تصور تو کسی مقام کے ساتھ ہے۔

اسی طرح چند ایک آیات میں ذکر ہوتا ہے کہ فرشتے جب جان نکالنے لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے۔ اسی سلسلہ کلام میں کہا گیا ہے کہ آج تم ہمارے پاس اکیلے ہی آئے ہو ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمھیں گمان تھا کہ وہ تمہارے ساتھی ہیں۔

ان آیات میں الیوم کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی کہ یہ عذاب القبر ہے حالانکہ برزخ میں تو وقت کا تصور ہی نہیں یہ قیامت کا ذکر ہے کیونکہ صاف ذکر اول مرۃ (جیسا کہ تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا) کا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دوسری بار زندگی قیامت کو ملے گی اور یہ قیامت کا دن ہی ہوگا۔ ہماری پچھلی تمام بحث سے یہ مطلب نکلا ہے۔ کہ

انسان کی دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں ۲/۲۸

پہلی موت کے بعد کی زندگی اور اس کے بعد کوئی موت نہیں ۳۶/۳۵

موت اور قیامت کی زندگی کے درمیانی وقفہ کو برزخ سے تعبیر کہا گیا ہے۔ اس میں احساس اور شعور نہیں ہوتا یہ مکمل بے خبری کا زمانہ ہے۔ عذاب القبر کی کچھ حقیقت نہیں۔

مردوں کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا زندوں کا کوئی عمل، کوئی سلام کوئی کلام مردوں کے لیے فائدہ مند نہیں۔ کوئی بھی مردہ خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان ہو نبی ہو یا خاتم المرسلین ہمارے اعمال سے مکمل بے خبر ہیں۔ ہمارا کوئی عمل ان تک نہیں پہنچتا۔

ایصال ثواب:۔ دین اسلام کا سارا نظام ہی قانون مکافات عمل کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اللہ کا قانون ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

سنته الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا ۔
۴۸/۲۳

قرآن کی ایک نہیں سینکڑوں آیات میں ہے کہ ہر شخص کو صرف اپنے اعمال کا نتیجہ ملتا ہے۔

۱ "اور اگر تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ تم میرے اعمال کے جواب دہ نہیں اور میں تمہارے عمل کا جوابدہ نہیں ہوں۔" ۱۰/۴۱

۲ جس نے ذرہ بھر بھی بھلائی کی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔" ۹۹/۸۰۷

۳ **لها ما كسبت وعليها ماالتسبت ۲/۲۸۶**
جو کوئی اچھا کام کرے گا اس کا اچھا اثر اس کی ذات پر مرتب ہو گا اور جو غلط کام کرے گا اس کا برا اثر اس کی ذات کو ہی بھگتنا پڑے گا۔"

۴ **ولا تكسب كل نفس الا عليها ولا تزر وازرة وزرى اخرى ۶/۱۶۴**
"جو شخص غلط اقدام کرتا ہے تو اس کا نقصان اس کی ذات کو ہوتا ہے (قانون مکافات عمل یہ ہے کہ) کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

اس قسم کی بکثرت آیات ثابت کرتی ہیں کہ ہر شخص کو صرف اپنے عمل ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی دوسرا کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلاف اور مرے ہوئے لوگوں کے بارے میں بھی صاف حکم آگیا کہ

"یہ ایک امت تھی یہ اپنے اپنے وقتوں میں مر گئے ان کے اعمال ان کے لیے تھے تمہارے اعمال تمہارے لیے ہوں گے اور تم سے تو پوچھا تک نہیں جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا عمل کیا تھا۔" ۲/۱۴۱

کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا اس اصول کو قرآن نے بہت جگہ بیان کیا ہے۔

"تم ڈرو اس دن سے جب کوئی دوسرے کے کسی کام نہ آسکے گا نہ ہی کسی کی سفارش

قبول کی جائے گی نہ کوئی کچھ دے دلا کر چھوٹ سکے گا نہ ہی مجرموں کو کسی قسم کی مدد ملے گی۔" ۲/۴۸

کئی جگہ تو تمام رشتہ داروں ماں باپ بیوی و بیٹا وغیرہ کے نام لے لے کر بتا دیا گیا کہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا صرف اپنا اپنا عمل ہی کام آئے گا۔ ہر شخص اس دنیا میں تنہا آتا ہے اور تنہا ہی قیامت کو حاضر کیا جائے گا۔ ۶/۹۴

یہ تو عام انسانوں کے بابت ہے انبیاء کے بارے میں بھی فرما دیا کہ وہ بھی صرف اپنے اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے۔ خود نبی اکرم سلام علیہ کے بارے میں کہا ہے۔ کہ

" ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر میں بھی اپنے رب کے قوانین کی خلاف ورزی کروں تو یوم مکافات عمل کے عذاب سے مجھے چھٹکارا نہیں مل سکتا میں بھی اس سے ڈرتا ہوں۔" ۶/۱۵

یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ کو فرمایا کہ " اے میری بیٹی میرے مال سے جس قدر چاہو مانگ لو مگر اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کے بارے میں میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ بخاری و مسلم

قرآن نے حضرت نوح اور لوط کی بیویوں کے بارے میں صاف فرما دیا کہ وہ بھی باوجود رسول ہونے کے انہیں ہمارے قانون کی خلاف ورزی کے نتائج سے نہ بچا سکے اور دونوں کو آگ میں داخل کر دیا گیا ۱۰/ ۶۶۔

اگر دیکھا جائے تو قرآن کی بنیاد ہی مکافات عمل پر ہے اور اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

" وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ کون ہے جو بہتر عمل کرنے والا ہے۔"

ان تمام تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد مردہ کا دار العمل ختم ہو جاتا ہے اس نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا، بس وہی اس کے کام آنے والے ہیں۔ باقی دوسرا جو چاہے کرے اس کا ذرا بھر بھی فائدہ مردہ کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مردہ کے لیے قرآن خوانی، صدقہ، ایصال ثواب وغیرہ سب بے فائدہ ہیں

یہ دراصل ہم لوگوں کے دل میں اپنے ایماندار افراد کے لیے نیک تمناؤں اور آرزوؤں کا اظہار ہوتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ان کے لیے کوئی میل نہیں ہے اور یہ دعائیں اصل میں

تحریک ہوتی ہیں اپنے ایمان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کہ اے ہماری نشو و نما کرنے والے ہم تمنا کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگوں کے ایمان کا نتیجہ مغفرت ہے ہم بھی مغفرت کے مستحق ہوں گے اپنے اعمال کے سبب، بنا بریں کوئی زندہ آدمی کوئی عمل کر کے اپنے حاصل کردہ ثواب (نتیجے) کو کسی مردے کی طرف منتقل نہیں کر سکتا۔ جسے آج کل کی اصطلاح میں ایصال ثواب کہا جاتا ہے۔

لفظ "ثواب" کا مطلب بدلہ، اجرو جزاء، معاوضہ اور یہ نیک عمل اور برے عمل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک جگہ یوں آتا ہے۔

هل ثوب الكفار ما كانوا يفعلون ۸۳/۳۶

منکروں کو ان کے کیے کی سزا مل گئی۔ قرآن کا حکم ہے کہ "جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برے کام کرے گا تو ان کا ضرر بھی اسی کو ہوگا اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے حم السجدہ: ۴۶

نبی اکرمؐ نے بھی واضح ارشاد فرمایا کہ "کوئی ظالم ظلم نہیں کرتا مگر اپنی جان پر خبردار رہو کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے میں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔ (مشکوۃ، ترمذی، ابن ماجہ)

انسان کو صرف وہی عمل فائدہ پہنچا سکتا ہے جو وہ خود کرے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے آگ میں ہاتھ رکھتے ہوئے یہ کہا کہ ہاتھ تو آگ میں میرا پڑے مگر اس کی جلن اور درد فلاں کو ہو جائے تو کیا یہ ممکن ہے؟ اسی طرح اگر کسی شخص کو سر درد ہو رہا ہے وہ کسی دوسرے سے کہے کہ دوائی تم کھالو تو کیا کسی دوسرے کے دوائی کھانے سے درد کو آرام آسکتا ہے؟ یقیناً نہیں تو بس جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کو قرآن ایک جگہ انسان کی زبانی اس طرح بیان کرتا ہے کہ

"اور خرچ کرو جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کے پاس موت پہنچے تو وہ کہے کہ اے رب تو نے مجھے کیوں نہ تھوڑی سی مہلت دی کہ میں خیرات کر کے نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا اور ہرگز مہلت نہیں دی جاتی جب کسی کا وعدہ (موت) آجائے اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔" ۹ تا ۱۱/ ۶۳

قرآن کی اس قدر واضح تصریحات کے بعد بھی کوئی شک رہتا ہے کہ مردہ کو ہمارا کوئی فعل فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔؟ قرآن کی ساری تعلیم میں کہیں بھی اس ہندوانہ اور نصرانی

عقیدے کی گنجائش نہیں ہے۔

میں نے اپنے مضمون کو اپنی بصیرت کے مطابق لکھا ہے اور یہ قطعاً بھی حرف آخر نہیں ہے بس قرآن کو سمجھنے کا ایک انداز ہے۔ اگر ہم قرآن کو حق و باطل کا معیار تسلیم کر لیں تو یقیناً صحیح نظریات کو اپنا سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہمارے ہاں حالت یہ ہے کہ

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو صرف اسی کی پیروی کریں گے۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ شیطان ان کو دوزخ کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو؟۔" ۳۱/۲۱

قرآن تو بالکل صاف اور واضع ہے۔ (اے محمد) ہم نے آپ پر صاف بالکل واضع آیات نازل کی ہیں اور ان سے وہی انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں۔" (البقرہ) اس کو سمجھنا بھی مشکل نہیں ہے کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ "ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے کوئی ہے سوچنے والا۔"
القمر: ۲۲

قرآن کا راستہ ہی ہدایت کا راستہ ہے جو شخص چاہتا ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کر لے تو اس کو قرآن کی طرف آنا ہوگا اور اپنے ہر عقیدے اور عمل کے بارے میں قرآن سے سند لینی ہوگی۔

قرآن کو از خود براہ راست پڑھیں پھر سوچیں غور و فکر کریں کہ اول دین کیا ہے۔ کسی کی بات کو حرف آخر نہ سمجھیں۔ خود غور و فکر کریں اور قرآن کو اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔